ایک حدیث

جنگ میں اخلاقی اقدار کا تحفظ

سنن ابوداؤد میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا بعث جیشاً قال انطلقوا بسم اللہ ولا تقتلوا شیخاً فانیاً ولا طفلا صغیرا ولا امرأۃ ولا تغلّوا وضُمّوا غنائمکم واصلحوا واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین (ریاض السنہ ص۳۰۲)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی جیش روانہ کرتے تو فرماتے کہ: اللہ کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ اور دیکھو کسی بوڑھے کو، کسی بچے کو، کسی عورت کو قتل نہ کرنا۔ خیانت نہ کرنا بلکہ غنیمت کو الگ جمع کرنا۔ مصالح عامہ اور حسن کاری کو پیشِ نظر رکھنا کہ اللہ تعالیٰ حسن کاروں کو پسند فرماتا ہے۔

جنگ اتنی بھیانک چیز ہے جس کا نتیجہ تباہی و بربادی کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ آج تو دنیا اپنے آپ کو بڑا مہذّب اور تعلیم یافتہ خیال کرتی ہے۔ اس کے پاس کم ازکم کہنے کو خوش آئند اصول و قوانین بھی ہیں۔ لیکن آج بھی جنگ کے مواقع پر جو وحشت و درندگی کے مناظر دیکھے جاتے ہیں ان کے تصوّر سے روح کانپ جاتی ہے ایک خوفناک ہتھیار جہاں حرکت میں آیا اور شہر کا شہر آتش کدہ بن گیا۔ شیخ و شاب، زن و مرد حتیٰ کہ بہائم اور چوپائے بھی راکھ کا ڈھیر بن جاتے ہیں۔ کھیتیاں اور باغ و چمن بھی خاکستر ہو جاتے ہیں۔ یوں کہیئے کہ جاندار و بے جان ہی نہیں جل جاتے بلکہ اخلاقی و انسانی قدریں بھی ساتھ ہی جل بھُن کر خاک ہو جاتی ہیں۔ یہ سب کچھ آج بھی ہوتا ہے جب کہ دنیا علم و تہذیب کی مدعی اور فکر و نظر کی دعویدار ہے۔

اب ذرا تیرہ صدیاں پیچھے جا کر اندازہ کر لیجئے کہ اُس تاریک دَور میں کیا کچھ نہ ہوتا ہوگا۔ یہ وہ دور تھا جبکہ زندگی کے کسی مرحلے پر بھی اخلاقی قوانین کی پابندی ضروری نہ سمجھی جاتی تھی اور بین الاقوامی قوانین کے احترام کا تو کوئی تصور بھی نہ تھا۔ یہ ایک بڑی طویل داستان ہے اور اسے دہرانے کی یہاں کوئی گنجائش نہیں۔ بس چاول کے دو دانے دیکھ کر پوری دیگ کا اندازہ بآسانی کیا جا سکتا ہے۔ عرب کی قومی تاریخ کا مبتدی بھی جانتا ہے کہ عقائد سے لے کر عبادات، اخلاق اور معاملات تک ساری زندگی ننگِ انسانیت ہو رہی تھی۔ عقائد کا یہ حال کہ مقتول کی کھوپڑی سے ایک ہامہ (اُلّو) پیدا ہو کر اس وقت تک فریاد کرتا رہتا ہے جب تک اس کے خون کا پورا انتقام نہ لے لیا جائے۔ عبادت یہ کہ برہنہ ہو کر طوافِ کعبہ کرنا رکن حج تھا۔ بین الاقوامی قانون کے

احترام کی یہ حالت کہ سفیروں کو قتل کر دیا جاتا تھا ۔ قومی کیرکٹر یہ کہ قافلوں کو لوٹنا، قتل کرنا، ان کا مال و اسباب چھین لینا اور انہیں لونڈی غلام بنا لینا شجاعت تصور کیا جاتا تھا ۔ عورتوں کی یہ عزت تھی کہ مائیں بیٹوں میں وراثت کے طور پر تقسیم ہوتی تھیں اور بیٹیوں پر یہ عنایت کہ انہیں زندہ درگور کر دینا نشانِ غیرت تھا ۔ غرض انسانیت کے بھیس میں ہر طرف درندگی پھیلی ہوئی تھی ۔ اور گنتی کی چند سعید روحوں کے سوا کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی اخلاقی قدروں کی حفاظت و رعایت کا کوئی جذبہ موجود نہ تھا ۔ جو قوم اپنی ماؤں کو وراثت سمجھ کر تقسیم کرنے میں کوئی شرم محسوس نہ کرے اور اپنی ننھے جگر کو پیوندِ زمین کر دینا تقاضائے غیرت سمجھے اور پُر امن حاجیوں اور مسافروں کی جان و مال کا کوئی احترام نہ کرے اس کے متعلق یہ معلوم کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنے دشمنوں اور حریفوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرتی ہو گی اور جب میدانِ کارزار گرم ہونے کی حالت میں وہ سامنے مقابلے پر آتے ہوں گے تو ان پر قابو پانے کے بعد کیا سلوک کیا جاتا ہو گا ۔

دیکھنے کی چیز صرف یہ ہے کہ اس دورِ جہالت و درندگی میں جب کہ دوستوں اور اپنوں کی جان و مال تک کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی، ایک رحمۃ للعالمینؐ انہیں کیا پیغام دیتا ہے اور اپنوں کے علاوہ برسرِ جنگ دشمنوں کے ساتھ کس قسم کے برتاؤ کی تعلیم دیتا ہے اور صرف "وعظ" ہی پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ان کی ایسی عملی تربیت دیتا ہے کہ رہتی دنیا تک کے لیے اس قوم کا اسوۂ عمل اقوامِ عالم کے لیے راہنمائی کا روشن مینار بن جاتا ہے ۔ یہی ہے وہ تعلیم جو زیرِ نظر ارشادِ نبوی میں موجود ہے ۔ سب سے پہلے یہ ارشاد ہے کہ :

انطلقوا بسم اللہ ۔ بنامِ خدا روانہ ہو جاؤ ——— اس کا مطلب یہ نہیں کہ فقط بسم اللہ "پڑھ کر" روانہ ہو جاؤ اور پھر جو جی چاہے سو کرو ۔ مقصد ہے خدا کو پیشِ نظر رکھنا جو قدر الاقدار ہے اور تمام بلند ترین اخلاقی قدروں کا سرچشمہ ہے ۔ اسے پیشِ نظر رکھنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ ہر اقدام کے وقت انسانی اقدار ملحوظ رہیں اور کسی آن بھی اعلیٰ مقاصدِ زندگی کے خلاف کوئی قدم نہ اُٹھے ۔ مجموعی حیثیت سے اتنا ہی درس کافی تھا لیکن اس کی مزید تشریح اور بھی فرما دی گئی کہ

ولا تقتلوا شیخا فانیاً و طفلاً صغیرا ولا امرأۃ ۔ کسی بوڑھے، بچے اور عورت کو قتل نہ کرنا ۔ کیونکہ یہ اگرچہ ہر طرح تمہارے دشمنوں کے حامی و مددگار ہوتے ہیں لیکن تمہارے مقابلے پر ہتھیار سنبھال کر نہیں آتے ۔ ان کمزوروں پر ہاتھ اُٹھانا ہی شجاعت و مردانگی کی توہین ہے ۔ انہیں نہ چھیڑو اور جوشِ انتقام میں اتنے از خود رفتہ نہ ہو جاؤ کہ نہتوں پر بھی ہاتھ صاف کرنا شروع کر دو ۔ آپ کو یاد ہو گا کہ غزوۂ احد میں حضورؐ نے اپنی مبارک تلوار اُٹھا کر پوچھا کہ کون یہ تلوار لیتا ہے ؟ سینکڑوں ہاتھ آگے بڑھے ۔ پھر حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ کون اس تلوار کا صحیح حق ادا کرے گا ؟ یہ سن کر سب پیچھے ہٹ گئے ۔ صرف ابو دجانہؓ نے اس تلوار کا حق ادا کرنے کا وعدہ کیا اور تلوار لے کر بجلی کی طرح تڑپ کر میدان کی طرف بڑھے ۔ سامنے ابو سفیان کی بیوی ہند آ گئی ۔ اس کے ہاتھ میں کوئی آہنی ہتھیار نہ تھا مگر تمام ہتھیاروں سے زیادہ کارگر رجز پڑھ پڑھ کر لوگوں کو جانبازی پر اُبھار رہی تھی ۔ حضرت ابو دجانہؓ کی زد میں آ چکی تھی اس لیے بے ساختہ اُٹھی کہ وہ تلوار اس

پر چلی۔ قریب تھا کہ ایک ہی وار میں اس کے سر کے دو حصے ہو جائیں۔ مگر سر کے قریب تلوار پہنچی ہی تھی کہ جناب ابو دجانہؓ نے فوراً ہی اپنا وار واپس لے لیا۔ اور کہا کہ "رسول اللہؐ کی تلوار ایک عورت پر چلے؟ یہ اس تلوار کے حق کی ادائیگی نہیں" ۔۔۔۔ یعنی عین حالتِ جنگ میں بھی جنگ پر ابھارنے والی عورت کے خون سے تلوار کو آلودہ نہیں ہونے دیا۔

اس کے بعد حضورؐ تیسری ہدایت یوں دیتے ہیں کہ:

ولا تغلّوا وضمّوا غنائمکم۔ مالِ غنیمت میں خیانت نہ کرو بلکہ اپنی غنیمتوں کو ایک جگہ جمع کر لو۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا نہ ہو دشمنوں کا مقابلہ کرتے وقت تو اعلیٰ اقدار پیشِ نظر رہیں اور جانوں کا احترام باقی رہے لیکن مال کے معاملے میں روحانی قدروں کو فراموش کر جاؤ۔ تمہاری جنگیں اعلیٰ اقدار ہی کی محافظت کے لیے ہیں نہ کہ حصولِ مال و زر کے لیے۔ لہٰذا اس کی طرف تمہارا کوئی میلان نہ ہو۔ تمہیں جو کچھ ہاتھ آئے اس میں دیانت داری اور عالی حوصلگی کی قدریں محفوظ رہیں اور کسی لالچ یا حرصِ مال سے انہیں مجروح نہ کیا جائے۔ ڈسپلن اور تنظیم بھی ایک بڑی قدر ہے اور اس کی محافظت کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی مجاہد بطورِ خود اپنا حصہ نہ لگائے اور کوئی چیز چھپا کر نہ رکھے۔

پھر آگے ارشاد ہوتا ہے:

واصلحوا واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین۔ "اصلاح اور احسان پیشِ نظر رہے۔ اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اصلاح ضد ہے افساد کی۔ انسانی معاشرے میں جتنی اور جس قسم کی ناہمواریاں پیدا ہوں ان کو قرآنی اصطلاح میں فساد کہتے ہیں جس کی نقیض ہے صلاح۔ اور اصلاح کے معنی ہیں ان تمام ناہمواریوں کو دور کرنا خواہ وہ معاشی ناہمواری ہو یا اخلاقی، انفرادی ہو یا اجتماعی، قومی ہو یا ملکی، سیاسی ہو یا تجارتی، علمی ہو یا عملی۔ غرض ہر قسم کی ناہمواری کو دور کرنے کو قرآنی اصطلاح میں اصلاح کہتے ہیں۔ اور اصلاح ذات البین یعنی باہمی صلح صفائی کرا دینا بھی اسی کا ایک جز ہے۔ یہ اصلاح اتنی بڑی قدر ہے کہ کائنات کی بے شمار انسانی قدریں سمٹ کر اس کے اندر آ جاتی ہیں۔ اتنی عظیم الشان قدر کی محافظت کی ذمہ داری ان مجاہدین کے سپرد کی گئی ہے جو دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے میدانِ جنگ میں جائیں۔ ذرا سوچئے اس ذمہ داری کے احساس کے بعد کیا ان کا ایک قدم بھی ایسا اٹھ سکتا ہے جو انسانی احترام اور اخلاقی فرائض کے خلاف ہو؟

پھر صرف "اصلاح" ہی کا اعلیٰ مقصد نہیں بتایا گیا بلکہ ایک لطیف اور ہمہ گیر قدر بھی اس کے ساتھ وابستہ کر دی گئی ہے اور وہ ہے احسان۔ عوام احسان کے معنی صرف "نیکی" سمجھتے ہیں۔ یہ معنی غلط تو نہیں مگر بہت محدود ہیں۔ یہ ایک بڑی جامع قرآنی اصطلاح ہے۔ احسان کے معنی ہیں حسین کر دینا، حسین بنا دینا۔ یعنی انسان کے افکار، گفتار اور کردار سب میں حسن کاری ہو۔ عمدگی، شستگی، خوبصورتی، لطافت اور سلیقہ ہو۔ غرض زندگی کے تمام اعمال و وظائف میں حسن کارانہ انداز پیدا کرنے کو احسان کہتے ہیں۔ عقائد و خیالات میں لطافت و نزاکت ہو، اخلاق و سیرت

میں بلندی ہو، عبادات میں حسن کاری ہو، اور معاملات میں سلیقہ و جمال ہو۔ غرض ساری زندگی میں حتیٰ کہ قتال اور مکافاتِ عمل میں بھی حسن و جمال ہو۔ یہ ہے مقصد احسان کا۔ ذرا غور کیجئے جس کے مزاج میں یہ حسن کاری پیدا ہو جائے کیا اس سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ جنگ کرنے میں اور دشمن کا مقابلہ کرنے میں کوئی بربریت و وحشت اور کوئی ظالمانہ درندگی کا شائبہ بھی پیدا ہوگا؟ خصوصاً اس وقت جبکہ اسے یہ بھی علم ہو کہ خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے یا دوسرے لفظوں میں اس کے خلاف (اساءۃ) کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا؟

ایک دوسری روایت میں ــــ جو مالکؒ نے یحییٰ بن سعیدؒ سے نقل کی ہے ــــ ان ہدایات کے علاوہ بھی کچھ مزید ہدایتیں ہیں۔ یہ احکام حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت یزیدؓ بن ابی سفیان کو اس وقت دیئے جب جیشِ اسلامی شام کی طرف روانہ ہو رہا تھا اور یزید بن ابی سفیانؓ چوتھائی لشکر کے امیر تھے۔ گو یہ ہدایات زبانِ صدیقؓ سے نکلی ہیں لیکن گمان اغلب یہی ہے کہ آپ نے حضورؐ ہی کے اتباع میں یہ احکام دئیے ہوں گے۔ وہ ہدایات جو مذکورۃ الصدر ہدایات کے علاوہ ہیں یہ ہیں:

(۱) انك ستجد قوما زعموا انهم حبسوا انفسهم لله فذعهم وما زعموا انهم حبسوا انفسهم له۔ یعنی تم کو وہاں کچھ لوگ ایسے ملیں گے جو اپنے خیال میں اللہ کے لیے گوشے نشین ہیں۔ ان کو ان کے خیال پر چھوڑ دو اور انہیں قتل نہ کرو......

(۲) ولا تقطع شجرا مثمرا ولا تخربن عامرا ولا تعقرن شاة ولا بعيرا الا لمأكلة ولا تغرقن نخلا ولا تحرقنه... ولا تجبنوا۔ یعنی کوئی[۱] پھلدار درخت نہ کاٹنا۔ کسی[۲] آبادی کو ویران نہ کرنا۔ کسی[۳] بکری یا اونٹ کو بلاضرورتِ طعام ذبح نہ کرنا۔ کسی[۴] درخت خرما کو نہ کاٹنا اور نہ جلانا..... اور بزدلی[۵] نہ دکھانا (ریاض السنہ ص ۲۴۸ و ۲۴۹)۔ اول الذکر پانچوں باتیں ایسی ہیں جن کا عام طور پر اس مہذب دور میں بھی خیال نہیں کیا جاتا۔ اور اُس دور میں تو کچھ پوچھئے نہیں۔ دشمن کے ساتھ یہ وحشیانہ برتاؤ ضروریاتِ جنگ میں شمار ہوتا تھا۔ اس بربریت سے روکنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ جو چیزیں تمہارے دشمن کے یا خود تمہارے کام آنے والی ہیں ان کو ضائع نہ کرو۔ اور آخر میں ہے کہ: بزدلی نہ دکھاؤ ــــ بات محض اتنی نہیں کہ شجاعت و مردانگی ایک اعلیٰ قدر ہے جس کی محافظت ضروری ہے بلکہ یہ واقعہ ہے کہ اگر بزدلی کا شائبہ بھی موجود ہو تو نہ دشمن کا مقابلہ ہی کیا جا سکتا ہے اور نہ فتح پانے کے بعد امن قائم رکھا جا سکتا ہے (محمد حنیف)

تاریخِ جمہوریت

مصنفہ شاہد حسین رزاقی

جمہوری افکار و ادارات کے ارتقاء کی مکمل تاریخ۔ قیمت آٹھ روپے۔

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور

طابع و ناشر:- ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم   مطبوعہ:- انجمن حمایت اسلام پریس لاہور   مقامِ اشاعت:- کلب روڈ۔ لاہور